غزل

از جناب سعادت نظیرؔ

ساری دنیا لے رہی ہے امتحاں پر امتحاں
اللہ اللہ! پھر بھی جیتا ہے نظیرؔ خستہ جاں

واقعاتِ زندگی ہیں اک ان کہی داستاں
میں سناؤں بھی تو کہہ دے کون سمجھے گا یہاں

ہے کبھی شامِ خزاں تو ہے کبھی صبحِ بہار
نت نئی تبدیلیوں کا نام ہے نظمِ جہاں

پیچ و خم سے راہ کی بیگانہ ہے جس کی نظر
ہو چکا منزل کا رہبر ایسا میرِ کارواں

حالِ دل کہہ کہہ کے ہم میں ادھر بے حال ہوں
اور مشتاقِ سماعت ہیں اُدھر اہلِ جہاں

ماہیِ بے آب کی صورت تڑپتا ہوں نظیرؔ
ہو غمِ ہجراں تو تسکینِ دلِ محزوں کہاں

غزل

فانیؔ مرادآبادی

چل کے آؤ غمِ تنہائی میں
وا دریچے ہیں اب مری شب کے

روشنی کو نہ چھو سکا کوئی
جانے والے پہنچ گئے کب کے

خردمندوں کی کون سنتا ہے
ہوش گم ہو گئے کہاں سب کے

غنچۂ دل نہ کھل سکا اب تک
آئی کیسی بہار ہے اب کے

کفر ہے اس سے مایوسی
ڈھنگ نرالے ہیں اس مرے رب کے

اس زمیں پر چلو مگر نہ ہو معلوم
دن گزارو جہاں میں یوں دب کے